ڈاکٹر قاضی عابد

ایسوی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو،بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

بیسویں صدی میں مستعمل منتخب تنقیدی اصطلاحات

Dr. Qazi Abid

Associate Professor, Department of Urdu, Bahaudin Zakriya University, Multan

Critical Terms used in Twentyth Century

In this article some of the critical terms of literary theory and criticism have been explained. It is a fact that right after half century of its introduction in west, Urdu critics started to write about theory and used its tools in their criticism but till this time no serious attempt has been made to explain the terms used by literary theory. This article presents a brief introduction of selected terms objectively.

مغرب میں نئ تنقیدی بصیرت کا آغاز آئی اے رچرڈز کی عملی تنقید، ٹی ایس ایلیٹ اور ایذرا پاؤنڈ کی نگارشات، جدیدیت، نئ تنقید اور روسی ہیت پسندی سے بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں ہوا۔ ساشیور کی لسانیات اور کلاڈ لیوی سٹراس کی متعارفہ ساختیاتی بشریات نے ساختیات کو ادب فہمی کی ایک منہاج کے طور پر آگے بڑھایا۔ چھٹی دہائی میں دریدا کی ردِ تشکیل نے مابعد ساختیات اور مابعد جدیدیت کے راستے کھولے اور بیسویں صدی کے اختتام پر خود ان تنقیدی دبستانوں کے مابعد ہونے کا وقت آ گیا۔ ٹیری ایگلٹن نے اسے مابعد تھیوری کے بجائے ’’تھیوری کے بعد‘‘ کا نام دیا مگر ان تمام تنقیدی رویوں اور رجحانات نے جنھیں ہم آسانی سے تھیوری اور مابعد تھیوری کہہ سکتے ہیں، سے وابستہ اُردو ناقدین نے اپنی وضع شدہ اصطلاحات کی توضیح کی کوئی جامع کوشش نہیں کی۔ ذیل کی سطور میں بیسویں صدی کی اس تنقیدی بصیرت سے وابستہ تنقیدی اصطلاحات کی تفہیم کی کوشش کی جائے گی۔ یہ اصطلاحات مختلف تنقیدی دبستانوں سے منتخب کی گئی ہیں اور ایک زیرِ تصنیف کتاب کا حصہ ہیں:

جمالیات (Aesthetics)

جمالیات فلسفے کی ایک ذیلی شاخ ہے جس کا مقصد حسن کا مطالعہ ہے اپنے طویل تاریخی ارتقا میں حسن کے مطالعے کی منہاج کے طور پر موضوعی اور معروضی دونوں طریق کار استعمال کیے جاتے رہے ہیں۔ اس لیے جمالیات کے حوالے سے دو باتیں بالعموم دہرائی جاتی رہی ہیں کہ (الف) حسن موضوعی ہوتا ہے (ب) حسن معروضی ہوتا ہے۔ آسان لفظوں میں یہ کہ آیا حسن کسی مظہر کے اندر موجود ہوتا ہے یا یہ ناظر کی آنکھوں میں ہوتا ہے۔ ادب میں بھی حسن کا مطالعہ ہیئت، تکنیک، اسلوب اور پھر موضوع کی اپنی جمالیاتی قدر کے حوالے سے کہ آیا یہ افادی ہے ،اخلاقی ہے یا پھر حسن کا حامل ہے زیرِ بحث آتا رہا ہے۔ فلسفے کی دیگر شاخوں کی طرح اس کا آغاز بھی یونان سے ہوا ہے۔ افلاطون نے ادب اور اُس کی تاثیر اور اپنی مجوزہ امکانی ریاست میں ادب اور ادیب کے کردار کے حوالے سے جو مباحث اٹھائے وہ ادب اور جمالیات کے رشتے کی

اولین شکلیں ہیں۔ پھر اُس کے ہونہار شاگرد نے المیہ کے حوالے سے جو بحث کی ہے اور شاعری کی ہیئت اور تکنیک پر جو کچھ لکھا ہے اُسے جمالیات کی دنیا کا دوسرا اہم نظریہ تصور کیا جاتا ہے۔ کانٹ اور ہیوم نے بھی اس حوالے سے اہم مباحث چھیڑے ہیں لیکن جمالیات کی دنیا میں جس بہتر نظریے کو اہمیت حاصل ہوئی وہ کروچے کا ''اظہاریت'' کا نظریہ تھا۔ ادبیاتِ عالم کی تاریخ میں یہ بات اپنی جگہ پر بڑی عجیب محسوس ہوتی ہے کہ جمالیات پر کام کرنے والوں نے ہندوستانی جمالیات کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ ہندوستانی جمالیات میں اُس کے نظریات کا ادبی دنیا سے جو تعلق ہے اُس پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ اُس کے نظریات بھی بنیادی طور پر جمالیات کے نظریات ہیں اور ان نظریات کے تشکیل دینے والوں نے جو اہم نکتہ وری کی ہے اُسے بھی جمالیات کی تاریخ میں مناسب مقام دیا جانا ضروری ہے۔ خاص طور پر جب جدید زمانے میں ادب اور ثقافتی مطالعات کے اشتراکات سامنے آئے ہیں اس طرف توجہ دی جانی ضروری ہے۔

جمال پرستی رجمال دوستی (Aestheticism)

انیسویں صدی کے مغرب میں جمال پرستی یا جمال دوستی کی اصطلاح مقبول ہوئی جب ادب برائے ادب کا نعرہ مقبولِ عام ہوا۔ یہ تحریک جرمنی سے شروع ہوا اور جرمن رومانوی ادیبوں نے اس طرزِ احساس کو پہلے اپنا طرزِ زندگی بنایا اور پھر اُسے ادب میں فروغ دیا۔ ان ادیبوں رمفکروں میں کانٹ، گوئٹے اور شلر زیادہ اہمیت رکھتے ہیں، ان لوگوں کے خیال کے مطابق فن کی اپنی ایک خود مکتفی جمالیات ہوتی ہے اور وہ صرف اور صرف حسن ہی ہے۔ فن کی تخلیقی (تعمیر) میں بھی حسن کو بنیادی عنصر کے طور پر موجود ہونا چاہیے اور اُس کی پرکھ کے لیے بھی صرف اور صرف حسن ہی کو معیار مقرر کرنا چاہیے۔

اس تحریک سے متعلق لوگوں کا خیال تھا کہ ادب کو سیاسی وابستگی، اخلاقی وابستگی، تبلیغی مقاصد یا کسی اور طرح کے مقصد کا حامل ہونے کی بجائے تخلیقی حسن کے مقصد کو اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہیے گویا یہ ایک طرح سے فن کی حسن سے وابستگی کو ہی حرفِ آخر قرار دیتے تھے اور جمالیاتی اقدار کے علاوہ فن کے اندر کسی اور طرح کی قدر کے خلاف تھے اس ہی وجہ سے اس تحریک کے اندر ایک مسئلہ یہ بھی پیدا ہوا کہ خود حسن کی کیا تعریف وضع کی جائے اور وہ تمام مکاتبِ فکر کے لیے کس طرح قابلِ قبول بنائی جائے اگر چہ اس تحریک کی ابتدا جرمنی سے ہوئی مگر اسے بے حد فروغ فرانس میں ملا جب ایڈ گرایلن پو اور دیگر تخلیق کاروں نے اس کے لیے اُصول سازی کا کام شروع کیا۔ پو نے ۱۸۵۰ء میں اپنے شہرۂ آفاق مضمون رکتاب ''اُصولِ شعریات'' میں کہا کہ ''نظم لکھنے کی غرض بس نظم لکھنا ہی ہو''۔ بعد میں اس تحریک کے اثرات بودلیئر، فلابیئر اور ملارمے کے کام کی وجہ سے بڑھے اور اس تحریک کو انہی لوگوں کی وجہ سے ''انحطاط پسندی کی تحریک'' بھی کہا گیا۔ انگلستان میں یہ تحریک والٹر پیٹر کی وجہ سے فروغ پذیر ہوئی اور آسکر وائلڈ کو اس طرزِ احساس رتحریک کا نمائندہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس تحریک کے دور س اثرات ادب کی بعد کی جدید اور مابعد تحریکوں پر بھی مرتسم ہوئے لیکن نئی تحریکوں کے شور وغوغا میں ان اثرات کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ ادب کے خود مکتفی ہونے کا ساختیاتی رمابعد جدید تصور اس تحریک سے کوئی نہ کوئی داخلی تعلق ضرور رکھتا ہے۔

لایعنیت ربے معنویت (Absurdity)

یہ اصطلاح بنیادی طور پر کافکا کے ایک مضمون ''سی فس کا اسطورہ'' سے اخذ کی گئی ہے جس میں اُس نے اپنی ہم عصر زندگی کی لایعنیت اور بے معنویت کو ظاہر کرنے کے لیے Absurd کی اصطلاح استعمال کی۔ بعد میں مائن ایسلن ۱۹۶۱ء میں دوسری جنگِ عظیم کے بعد کی یورپی ڈرامے کی روایت پر جو کتاب لکھی اُس کا نام اُس نے The Theatre of the Absurd رکھا اس کا خیال تھا کہ ان

ڈرامہ نگاروں نے جس طرح ہم عصر زندگی کو اپنے فن میں پیش کیا یہ صورتِ حال absurd/لایعنی ہے۔ کامیو نے اس اصطلاح کو اسی تناظر میں استعمال کیا تھا۔

مغرب میں یہ فکری/فنی رویہ دراصل زندگی کے اُن اقدار پر سے ایمان اُٹھ جانے کی وجہ سے پیدا ہوا جسے یورپ نے نشاۃِ ثانیہ کے بعد اپنایا تھا جس میں بشر دوستی/انسان دوستی ایک بہت بڑے عنصر کے طور پر موجود تھی۔ دو بڑی جنگوں میں جب ان اقدار پر ایمان رکھنے والوں نے ہی ان اقدار کا عملی مذاق اُڑایا تو پورے مغرب کو ایک ذہنی کرب کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی کرب کی صورتِ حال کو اس زمانے کے ادب نے اس فنی وفکری رویے کے طور پر پیش کیا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مابعد الطبیعات سے دوری اور سماجی اور تہذیبی اقدار کے انہدام کی وجہ سے مغرب اس ذہنی ابتلا سے گزرا اور اس دور کے فنکاروں نے اسی ابتلا کو اپنے فن کے مخصوص رویوں کے اندر پیش کیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ انسان کا وجودی کرب ہے جو مختلف راستوں میں سے چناؤ کی غلطی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ انسان کے اندر ذمہ داری کا جو احساس ہوتا ہے اُس کے پورا نہ ہونے کی صورت میں وہ اس المناک کیفیت کا شکار ہو جاتا ہے اور پھر ایک بڑا سوال اُس کے سامنے آکھڑا ہوتا ہے کہ وہ کیوں ہے؟ اس سوال سے ہی لایعنیت کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

اس رجحان کو کافکا، سارتر، آئنسکو وغیرہ نے متنوع جہات کے ساتھ پیش کیا۔ کافکا نے اپنے معروف مضمون (جس سے یہ اصطلاح اخذ کی گئی) میں جس یونانی اسطورے سے استفادہ کیا ہے وہ بھی اسی ہی صورتِ حال کی عکاس ہے۔ سی فس کو سزا کے طور پر ایک چٹان دھکیل کر پہاڑ کی چوٹی پر لے جانی ہوتی ہے مگر ہر بار وہ چٹان پھر لڑھک کر نیچے آجاتی ہے۔ کافکا کے ناولوں میں بھی یہی صورتِ حال مختلف کرداروں کا مقدر ٹھہرتی ہے۔ اس کی معروف کہانی ''تبدیلیٔ قالب'' (میٹا مارفورسز) میں بھی انسان بالآخر ایک کیڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ آئینسکو کے ڈرامے میں انسان گینڈے میں بدل جاتا ہے۔ بیکٹ کے ڈرامے میں کسی شے کا لامختتم انتظار انسان کا مقدر ٹھہرتا ہے اور اسے یہ بھی پتا نہیں چلتا کہ آخر انتظار کس شے کا ہے۔ ژاں ژینے کی تحریروں میں بھی اس لایعنی صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دورِ جدید میں نوبل انعام یافتہ ڈرامہ نگار ہیرلڈ پنٹر نے بھی فن کی اس صورت کو اپنے ڈراموں میں ایک حربے کے طور پر استعمال کیا ہے اُردو میں اس طرح کی صورتِ حال کو انتظار حسین کی کہانیوں 'آخری آدمی'، 'وہ جو دیوار کو نہ چاٹ سکے' میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ انور سجاد کے ناولوں اور افسانوں، قرۃ العین حیدر کی بعض کہانیوں اور انیس ناگی کے ناولوں میں یہ لایعنیت ایک فنی حربے کے طور پر دکھائی دی جاتی ہے۔

لایعنی ڈرامہ (Theatre of the Absurd)

پہلی اور دوسری عالمگیر جنگوں کے بعد ڈرامہ نگاروں کی ایک نئی پود پیدا ہوئی جس نے اپنے اطراف میں پھیلی ہوئی بے معنویت کو مختلف فنی حربوں کے ساتھ پیش کیا، ان ڈرامہ نگاروں کی تخلیقات کو ''لایعنیت کا تھیٹر'' قرار دیا گیا۔ یہ اصطلاح ۱۹۶۱ء میں مارٹن ایسلن نے استعمال کی' اُس نے اپنی کتاب کا نام یہی رکھا۔

عدم موجودگی/ ناموجودگی (Absene)

اس اصطلاح کا تعلق اگرچہ مابعد جدید تنقیدی رجحانات سے ہے اور اسے دریدا نے استعمال کیا ہے لیکن اسے ماضی قریب کے تنقیدی رویوں سے یکسر الگ کر کے دیکھنا بھی ممکن نہیں ہے۔ ماقبل جدید تنقید جس طرح سے مصنف، اس کی سوانح اور عہد کے تناظر میں متن کے مطالعے کی راہیں سمجھاتی ہے یہ رویہ اس کے ردِ عمل میں ہے۔ دریدا کا خیال ہے کہ تحریر تقریر سے کئی لحاظ سے مختلف ہی نہیں بلکہ اس پر فوقیت

بھی رکھتی ہے۔تقریر صوت مرکزیت کی حامل ہوتی ہے جس میں بولنے والا کسی نہ کسی سطح پر خود موجود ہوتا ہے۔تحریر اس لحاظ سے تقریر پر فوقیت رکھتی ہے کہ اس میں لکھنے والا غائب ہوتا ہے۔اس نظریے پر اگرچہ نئی تنقید، ساختیات اور روسی ہیئت پسندی کے اثرات واضح ہیں لیکن اس تصور کو یہ واضح شکل دریدا نے ہی عطا کی ہے۔کسی بھی متن کی تفہیم اور توضیح میں قطعیت اور مطلقیت صوت مرکزیت اور مقرر کی موجودگی کی وجہ سے جنم لیتی ہے اور اس بات کو دریدا نے موجودگی کی مابعد الطبیعات قرار دیا ہے۔یہ نظریہ ایک لحاظ سے جدید لسانیات کی اس روش کو بھی غلط قرار دیتا ہے جو بولے ہوئے لفظ پر اپنی اساس رکھتی ہے اور زمان، مکان، بولنے والے اور سننے والے سے مل کو جو ٹھوس لسانی تناظر جنم لیتا ہے اس پر بھی سوال اُٹھاتی ہے۔تحریر ایک ایسی لسانی صورتحال ہے جو مصنف کو تحریر سے بے دخل کر دیتی ہے۔

موجودگی(Presence)

یہ اصطلاح عدم موجودگی کی اصطلاح سے جڑی ہوئی ہے۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی مقرر تقریر کرتا ہے، کوئی مبلغ وعظ کرتا ہے یا استاد لیکچر دیتا ہے تو اس کی موجودگی معنی کو قطعیت کی طرف لے جاتی ہے۔دریدا اسے موجودگی کی مابعد الطبیعات قرار دیتا ہے اگرچہ دریدا کے ناقدین نے اس تصور کی وضاحت نہیں کی کہ کیا موجودگی کی مابعد الطبیعات کی وجہ سے بولنے والا ایک خاص قسم کی تقدیس یا تحکم کی علامت بن جاتا ہے مگر ایسا ہونا بعید از امکان بھی نہیں کیونکہ صوت مرکزیت کی وجہ سے بولنے والا ایک خاص وضع کے تحکم کا حامل بن جاتا ہے۔

مطلق پسندی(Absolute/Absolutism)

یہ تصور بنیادی طور پر مقنن تنقید(Legislative Criticism) سے وجود میں آیا ہے جو یہ یقین رکھتی ہے کہ زندگی کی طرح ادب میں کچھ اُصولوں کو ایک دوام حاصل ہوتا ہے اور زمین اور زمانے کی تبدیلی یا وقت ان پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔یہ خیال کہ چیزیں، اشیاء اور تصورات دوامی ہوتے ہیں مطلقیت پر ایمان کا شاخسانہ ہیں۔اگر دنیا میں کوئی شے مطلق ہے تو وہ خود تبدیلی کی قوت ہے لیکن مطلقیت پسندوں کا خیال ہے بعض اقدار اور تصورات اس طرزِ احساس سے ماورا ہوتے ہیں، وہ نہ بدلے جاسکتے ہیں نہ ان میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت ہوتی ہے۔یہ تنقیدی رویہ تشریحی قسم کا ہے۔کچھ ادبی متون اس طرح کے ضرور ہیں جو وقت کی گردش میں کم نہیں ہوئے مگر ان متون کی توضیح کے طریقے ہمیشہ تبدیل ہوتے رہے ہیں۔

اضافت/اضافیت(Relitivism)

اضافت/اضافیت کا تصور اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ مطلقیت مگر دورِ جدید میں اس نظریے کو آئن سٹائن نے علمی پسِ منظر فراہم کیے ہیں۔یہ نظریہ اس کائناتی اُصول سے تعلق رکھتا ہے کہ دنیا میں صرف تغیر کو ہی ثبات حاصل ہے۔تنقید کی دنیا میں بھی اس تصور کی جھلک فوراً دکھائی دے جاتی ہے۔تنقیدی معائر کے اندر وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیں آتی رہتی ہیں اور کسی بھی تنقیدی معیار کو حتمی، مطلق اور آخری قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اس کے برعکس ہر تنقیدی معیار کچھ عرصے کے بعد اگر پوری طرح ختم نہیں ہو جاتا تو اضافی ضرور ہو جاتا ہے۔

تجرید/تجریدیت/مجرد(Abstract)

اس اصطلاح کی فکری بنیادیں بھی قدیم یونانی فلسفے میں پیوست ہیں اور مابعد الطبیعات سے بھی اس کا کوئی نہ کوئی تعلق ضرور رہا ہے۔ہر وہ شے جو مادی پیکر نہ رکھتی ہو مجرد، تجریدی یا تجریدیت کے زمرے میں شمار ہوتی ہے یہ کوئی تصور بھی ہوسکتا ہے، شے بھی اور صورتحال بھی۔خوبی، خیر، انصاف، خوشبو، مٹھاس، حب الوطنی، پیار محبت وغیرہ ایسی ہی مجرد یا تجریدوالی چیزیں یا تصورات ہیں۔بعض اوقات صفت تو

تجریدی ہوتی ہے لیکن موصوف تجسیم کا حامل ہوتا ہے مثلاً بہادری تو تجریدی شے ہے لیکن بہادر ایک تجسیم رکھتا ہے۔اس طرح حب الوطنی تجرید ہے مگر حب الوطن فرد ایک تجسیم ہے۔کچھ تجریدات ایسی ہیں جن میں صفات تو ہوتی ہیں مگر اس سے کوئی متصف ہوتا مثلاً خوشبو وغیرہ۔تجریدی شاعری میں بھی اشیا کی بجائے تصورات کو تخلیقی عمل کا حصہ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔بیسویں صدی میں فکشن میں بھی تجریدی روایت کو ایک سطح تک فروغ حاصل ہوا۔

ٹھوس رمجر (Concrete)

ٹھوس یا مجر اشیا کا تعلق مادی دنیا سے ہوتا ہے۔ٹھوس اشیاء ایک مادی وجود رکھتی ہیں۔ادب کی دنیا میں ایسی اشیاء کا لفظوں میں اظہار جو ٹھوس وجود رکھتی ہوں مجر یا concrete اظہار کہلاتا ہے۔اٹھارویں صدی سے مغرب کی شعری روایت میں ٹھوس اظہار پر زیادہ زور دیا گیا اور تجرید کی مخالفت کی گئی۔اس تحریک کو مختلف اوقات میں ورڈزورتھ، کالرج اور شیلے نے اپنے تصورات سے آگے بڑھایا۔بیسویں صدی میں اس روایت کو زیادہ تر فکری توانائی ایذرا پاؤنڈ اور ہیوم نے عطا کی۔ہیوم نے شعرگوئی ایک مادی اور طبیعی عمل ہی ہے جو مادہ اور طبیعات سے استفادہ کرتے ہوئے ایک ٹھوس فضا کی تشکیل کرتا ہے۔ٹی ایس ایلیٹ کا معروضی تلازمے کا تصور بھی اسی رویے کو ایک سطح پر اہمیت دیتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔اس کے خیال میں ایک شے کے تصور سے دوسری شے کا تصور جڑا ہوا نظر آنا چاہیے اور شے ظاہر ہے کہ ایک ٹھوس وجود رکھتی ہے۔مغرب میں ٹھوس شاعری کی ایک پوری روایت موجود ہے جو مابعدالطبیعات کے تخلیقی اظہار کے ردِعمل کے نتیجے میں اپنی معروضی دنیا کی تصویرکشی پر زور دیتی ہے۔

یک زمانی (Synchronic)

ساختیات اور ساختیاتی تنقید کو بنیادی تعلقاتی نظام فراہم کرنے والے سوئس ماہرِ لسانیات فرڈی نینڈ ساشیور کی لسانیات کا اہم ترین اور مرکزی نکتہ کہ زبان کے مطالعے کے رائج طریقے کثیر زمانی اور تاریخی ہیں اس لیے وہ زبان کے عملی نظام کے بارے میں کوئی جانکاری دینے سے قاصر رہتے ہیں اس لیے زبان کے مطالعے کا یک زمانی طریق اختیار کرنا چاہیے۔یہ خیال لسانیات سے ساختیات کی طرف سفر کرتا ہے اور ساختیات کے بنیادی نظام کا اہم حصہ قرار پاتا ہے۔اس امر کا مطالعہ کہ حاضر وقت یا موجود لمحے میں زبان کس طرح ایک نظام کے تابع کا کام کر رہی ہوتی ہے یک زمانی مطالعہ کہلاتا ہے۔یہ اصطلاح اگرچہ بنیادی طور پر لسانیات کی دنیا سے تعلق رکھتی ہے مگر ساختیات کی نظری کائنات لسانیات سے اور خاص طور پر ساشیور کی لسانیات سے مستعار ہے اس لیے جب ادب کے مطالعے مین یک زمانیت تاریخ جیسے تناظرات سے الگ ہو کر ادب کی شعریات کی دریافت کرتی ہے تو وہ بنیادی طور پر زبان کے ایسے تفاعلات کا مطالعہ کر رہی ہوتی ہے جس میں زبان کے مختلف اجزاء کے ایک دوسرے کے ساتھ ہم رشتہ ہو کر معانی پیدا کر رہے ہوتے ہیں۔

کثیر زمانی (Diachronic)

زبان کا تاریخی مطالعہ لسانیات کی دنیا میں ایک زمانے تک مرغوب خاطر رہا ہے اگرچہ آج بھی بعض لسانیاتی بصیرتوں کے حصول کے لیے اس طریق کار کو استعمال کیا جاتا ہے مگر بیسویں صدی میں لسانیات نے یک زمانی مطالعے کو ہی زیادہ تر اختیار کیا ہے اور لسانیات اور ساختیات کے تال میل سے جنم لینے والی ساختیاتی تنقید نے اسے زیادہ تر مذموم ہی قرار دیا ہے اور جس طرح سے یک زمانی مطالعہ کا طریق کار ساختیاتی تنقید کا اٹوٹ حصہ بن گیا ہے اس طرح سے کثیر زمانی طریقِ مطالعہ تنقید کے کسی بھی مکتبِ فکر کا حصہ نہیں بن سکا۔کثیر زمانی طریق کار

آج بھی صرف تاریخی لسانیات سے منسوب ہے۔

دال،معنی نما(Signifier)

یہ اصطلاح بھی ساشیور کی یک زمانی لسانیات سے ساختیات اور ساختیاتی تنقید کا حصہ بنی ہے۔ساشیور کے مطابق کوئی بھی لسانی نشان دوحصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔دال رمعنی نما لسانی نشان کا ایسا حصہ ہے جو بظاہر طبعی وجود کا حامل ہوتا ہے مگر بنیادی طور پر یہ ایک ''صوتی شکل''(صوتی امیج ،صوتی ساختیہ) ہے جو قاری کی حسیات کی گرفت میں آجاتی ہے اور اس سے اس کا ذہن شے کی طرف راجع ہوجاتا ہے گویا یہ صوتی شکل ٹھوس نہیں ہوتی بلکہ ایک ٹھوس شے یا حقیقت جو خارج میں موجود ہوتی ہے، کی نمائندگی کرتی ہے۔دال یا معنی نما سے شے نہیں، شے کا تصور وابستہ ہوتا جو کسی مفرد یا مرکب آواز کے وسیلے سے ذہن میں آتا ہے۔قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ دال اور مدلول کا رشتہ فطری نہیں بلکہ من مانا اور رواجی ہوتا ہے جسے کوئی بھی معاشرہ بغیر کسی تحریری سمجھوتے کے قبول کر لیتا ہے۔

مدلول،تصورِمعنی(Signified)

یہ ساشیور کے لسانی نشان کا دوسرا حصہ ہے وہ مفہوم جو قاری کے ذہنی عمل کا حصہ بن جائے مدلول کہلاتا ہے۔مدلول بنیادی طور پر کسی ٹھوس شے یا حقیقت کی ذہنی نمائندگی کرتا ہے اور اخذ ومعنی کا رشتہ ٹھوس شے یا حقیقت کی بجائے دال (جو کہ ایک صوتی تصویر ہے) سے وابستہ کرتا ہے۔دال اور مدلول کا رشتہ رواجی ،رسمیاتی اور من مانا ہوتا ہے اور ایک متعین ثقافت کے اندر اپنا وجود رکھتا ہے۔

کتابیات

(الف) انسائیکلوپیڈیاز،لغاتِ اصطلاحات (اُردو)

۱۔ کشاف تنقیدی اصطلاحات / ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، ۱۹۸۵ء،اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان

۲۔ فرہنگ ادبی اصطلاحات / کلیم الدین احمد ۱۹۸۶ء،دہلی،ترقی اُردو بیورو

۳۔ منتخب ادبی اصطلاحیں / فخر الحق نوری ۱۹۹۰ء،لاہور،پولیمر پبلی کیشنز

۴۔ ادبی اصطلاحات / انور جمال ۱۹۹۳ء،اسلام آباد،نیشنل بک فاؤنڈیشن

۵۔ ادبی اصطلاحات کی وضاحتی فرہنگ / عتیق اللہ ۱۹۹۵ء،دہلی،اُردو مجلس

۶۔ منتخب ادبی اصطلاحات / سہیل احمد خان،محمد سلیم الرحمٰن ۲۰۰۵ء،لاہور،شعبہ اُردو،گورنمنٹ کالج یونیورسٹی

۷۔ جدید ادبی وتنقیدی نظریات / پروفیسر ظہور الدین ۲۰۰۵ء،دہلی،ادارۂ فکرِ جدید

۸۔ فرہنگِ ادب اُردو / سرسوتی سرن کیف ۲۰۰۴ء،دہلی،ساہتیہ اکادمی

(ب) انسائیکلوپیڈیاز،لغاتِ اصطلاحات (انگریزی)

1. Dictionary of World Literary Terms / Joseph T. Shipley 1943/1970/London, George Allen & Unwin

2. A Glossary of Literary Terms / M.H. Arams (1981, 4th Edition , 1941)CBS Publishing, Japan
3. A Dictionary of Literary Term / Martin Gray (1994) / 1984, London, Long Man York Press.
4. A Dictionary of Modern Critical Terms / Roger Fowler 1973 London, Rutledge & KeganPaul.
5. Literary Terms and Criticism / John Pock and Martin Coyle, 1989, London, Macmillan.
6. Key Concepts in Literary Theory / Julian Wolfreys., Ruth Robbins and Kenneth Womack, 2006,Edinburgh University Press.
7. Penguin Dictionary of Literary Terms and Literary Theory / J. A. Cuddon, 1991 (1977) London, PenguinBooks.
8. Dictionary of Literary Terms / Sharad Rajimwale, Dehli, K.S. Paperbacks, Year N.M
9. A Concise Dictionary of Literary Terms / Chris Baldick 2004, Oxford, Oxford University Press.

ج۔ انگریزی بنیادی مآخذات

1. Barthes, Roland ,Elements ofSemiology, London, 1967
2. Barthes, Roland. Image-Music-Text. Trans. Stephen Heath. New York, 1994.
3. Barthes, Roland, Mythologies, London, 1972
4. Barthes, Roland. The Pleasure of the Text. Trans. Richard Miller. New York, 1975.
5. Barthes, Roland, Writing Degree Zero, London, 1967
6. Culler, Jonathan. Literary Theory: A Very Short Introduction, OUP, 2000.
7. Culler, Jonathan. Structuralist Poetics, London, 1975
8. Derrida, Jacques. Of Grammatology. Trans. Gayatri C. Spivak. Baltimore:

Johns Hopkins, 1976.

9. Derrida, Jacques, Speech and Phenomena, Evanston, 111., 1973

10. Eagleton, Terry. After Theory, New York, 2003.

11. Eagleton, Terry. Literary Theory: An Introduction. Minneapolis: U of Minnesota P, 1983.

12. Foucault, Michel , Discipline and Punish, London, 1977

13. Foucault, Michel, Madness and Civilization, London, 1967

14. Foucault, Michel , The Archaeology ofKnowledge, London, 1972

15. Foucault, Michel. The History of Sexuality. Volume 1. An Introduction. Trans. Robert Hurley. Harmondsworth, UK, 1981.

16. Foucault, Michel. The Order of Things: An Archaeology of the Human Sciences. New York, 1973.

17. Jameson, Frederic. Postmodernism: Or the Cultural Logic of Late Capitalism. Durham, NC: Duke University Press, 1999.

18. Lacan, Jacques. Ecrits: A Selection. London: Routledge, 2001.

19. Lemon Lee T. and Reis, Marion J. Eds. Russian Formalist Criticism: Four Essays. Lincoln, NE: University of Nebraska Press, 1965.

20. Lodge, David, with Nigel Wood. Modern Criticism and Theory: A Reader. 2nd Ed. London: Longman, 1988.

21. Makaryk, Irena R., ed. Encyclopedia of Contemporary Literary Theory: Approaches, Scholars, Terms. Toronto: U of Toronto P, 1993.

22. Murfin, Ross and Ray, Supryia M. The Bedford Glossary of Critical and Literary Terms. Boston: Bedford/St.Martin's, 2003.

23. Robey , David (ed.), Structuralism: An Introduction, Oxford, 1973

24. Saussure Ferdinand de. Course in General Linguistics, London, 1978

25. Said, Edward. Orientalism. New York: Pantheon, 1978.